

۵۰ - قرآن مجید ۹۲ : ۳

۵۱ - ایضاً ۳۳ : ۷۹

۵۲ - ایضاً ۸۸ : ۲۸

۵۳ - ایضاً ۱۱۱ : ۹

۵۴ - ایضاً ۲۱۵ : ۲

۵۵ - ملاحظہ ہو راقم سطور کا مقالہ ”اقبال اور تقدیر امم، شمولہ سہ ماہی

”اقبال ریویو“، بابت جولائی اور اکتوبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۱ تا ۳۵

## عظمت انسانی، اقبال کی نظر میں

سید علی رضا نقوی

علامہ اقبال کے خیال میں انسان اشرف المخلوقات اور تخلیق خداوندی کا بہترین اور ارفع نمونہ ہے۔ ان کا انسانی عظمت پر کامل ایمان تھا۔ انہوں نے اپنے اشعار میں جایجا انسان کی فضیلت و شرف کے گن گائے ہیں اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کو مختلف دلائل اور شواہد سے ثابت کیا ہے۔

بعض اکابر صوفیہ و حکماء کی طرح علامہ اقبال بھی انسان کی تخلیق کا بنیادی سبب خالق کی اپنی جلوہ نمائی کی خواہش ہی سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا نے انسان کو بطور آئینہ کے خلق کیا ہے تاکہ اس میں اپنی ذات کا پرتو دیکھ سکے۔ غالب نے بھی اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے :

دھر جز جلوہ یکنوائی معشوق نہیں ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بین

یہ خالق کی خود بینی و خود نمائی کی خواہش ہی تھی جس کے سبب اس نے اس کائنات کی جملہ مخلوقات خصوصاً انسان کو خلق کیا۔ اس عقیدہ کی تائید مشہور حدیث قلمی سے ہوتی ہے جہاں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :

”كنت كنزاً مخفياً فأحببت ان أعرف فخلقت الخلق“،

”یعنی میں پوشیدہ خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ چنانچہ میں نے خلق کو پیدا کیا،“۔

علامہ اقبال کی نظر میں ایک طرف انسان اس کائنات میں خدا کی جستجو میں مشغول ہے، وہ خلیق کا جلوہ کائنات کی ہر شے میں دیکھنا چاہتا ہے اور شب و روز اسی تک و دو میں سرگردان و پریشان رہتا ہے۔ دوسری طرف معاملہ بالکل برعکس ہے۔ خود خدا بھی انسان کی تلاش میں ہے۔ گویا خدا نے اسے گم کر دیا ہے اور اسے پانے کی کد و کاوش کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو پانے کی خواہش نے خدا کو بھی سرگرداں کر رکھا ہے۔ کبھی اس نے لالہ و گل کے رخ پر ہمارے لئے پیغام لکھا، تو کبھی مرغان خوش الحان کے ذریعہ ہمیں آوازیں دلوائیں۔ کہیں بلبل زار کے نالہ و فریاد کے ذریعہ ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا، تو کبھی نرگس کی آنکھ بن کر ہمارے جمال کا نظارہ کرنا چاہا۔ جیسے یہ سارے کوشے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم سے تمہو گفتگو ہوں۔

کبھی چاروں طرف ہمارے فراق میں وہ آہ سحر گہ میں مشغول ہے، تو کبھی اس رنگ و بو کے کارخانے میں ہم خاک کیوں کے دیدار کی خاطر اس نے ہنگامہ آرائی کی۔ کبھی ذرہ ذرہ میں چھپ کر ہمیں جھانکتا ہے، تو کبھی اس دنیا کے وسیع صحن میں چاندی کی طرح چٹکتا اور اس خاکدان عالم میں ہمارے گوہر گم گشتہ کو دوبارہ پالینے کی کوشش کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو است

چون ما نیازمند و گرفتار آرزو ست

گلے بہ برگ لالہ نویسند پیام خویش

گلے درون سینہ مرغان بہ ہا و ہوست

در نرگس آرمید کہ بیند جمال ما  
 چندان کرشمہ داں کہ نگاہش بہ گفتگوست  
 آہے سحر گہی کہ زند در فراق ما  
 بیرون و اندرون، زبر و زیر، و چار سوست  
 ہنکمہ بست از پے دیدار خاکٹے  
 نظارہ را بیہانہ تماشائے رنگ و بوست  
 پنہاں بہ ذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز  
 پیدا چو ماہتاب، و بہ آغوش کاخ و کوست  
 در خاکدان ما گہر زندگی گم است  
 این گوہرے کہ گم شدہ "مائیم"، یا کہ اوست (۱)

علامہ اقبال کے خیال میں انسان کو چاہئے کہ بجائے اس کے کہ طور  
 پر جا کر خدا کے جلوہ کی تلاش کرے، خود انسان کی تلاش کرے، کیونکہ  
 انسان ابھی خود اپنا بھی نامحرم ہے۔ اسے خود اپنی بھی خیر نہیں۔ لہذا بہتر  
 یہ ہے کہ اول وہ اپنی ذات کو پہچانے، کیونکہ خود شناسی خدا شناسی کی  
 پہلی منزل ہے۔

گداے جلوہ وقتی بر سر طور  
 کہ جان تو ز خود نا محرمی ہست  
 قدم در جستجویے آدمی زن  
 خدا ہم در تلاش آدمی ہست (۲)

اقبال کے نزدیک انسانی عظمت کا رکن اعظم اس کی اپنی "خودی"،

یعنی خود نگری و خود آگہی ہے، اگرچہ اس کی اصل ایک سشت خاک سے زیادہ نہیں لیکن ”خودی“ کے ذریعہ اس کا مرتبہ تمام مخلوقات میں افضل ہو گیا ہے :

بہ نوریان زین ہا بگل پیاسے گوے  
حذر زسشت غبارے کہ خویشتن نگر است (۳)

”خودی“ تمام موجودات عالم کا نقطہ مرکزی ہے۔ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو بہ یک وقت نہایت قوی، خود آشنا اور سرکش ہے اور دنیا کی تمام اشیاء میں خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان جاری و ساری ہے۔ تمام مخلوقات کے وجود کا پیکر ”خودی“ ہی کا مرہون منت ہے۔ دنیا میں ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہ سب اسرار و رموز خودی کا کرشمہ ہے۔

پیکر ہستی ز آثار خودی است      ہرچہ می بینی ز اسرار خودی است (۴)

علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے پروفیسر رنالد نکلسن کو لکھا ہے ”خودی“ کی تشریح اس طرح فرمائی ہے :

”انسان کے اندر حیات کا مرکز خودی یا شخصیت ہے۔ شخصیت کشاکش کی ایک کیفیت ہے اور اس کیفیت کی بقا سے ہی قائم رہتی ہے۔ اگر یہ کیفیت کشاکش قائم نہ رہے تو اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے، چونکہ یہی شخصیت یا کیفیت کشاکش و اضطراب انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اس لئے یہ فکر رکھنا ضروری ہے کہ کہیں اضمحلال و سکون پیدا نہ ہو جائے۔ ہر وہ شے جو اس کیفیت کشاکش کے بقا میں معاون ہوتی ہے ہمیں غیر فانی بنانے میں مدد گار رہتی ہے۔ خودی کے اس تصور سے اقدار کا معیار قائم ہو جاتا ہے اور خیر و شر کا بھی حل ہو جاتا ہے۔ ہر وہ شے جو خودی کو

استحکم بتاتی ہے خیر اور جو اسے ضعیف بناتی ہے شر ہے۔ آرٹ، مذہب، اخلاق سب کو خودی کے معیار ہی سے جانچنا چاہئے،، (۵)

ہر شخص اور چیز کی اہمیت اس کی اپنی خودی کی تربیت و پرورش پر منحصر ہے۔ انسان جس قدر اپنی خودی کی پرورش کرے گا اسی قدر اس کی ہستی مضبوط اور قیمتی بنتی جائے گی۔ ہر وجود کی قدر و قیمت اس استحکام خودی کے حصول پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر زمین چونکہ اپنے مقام پر قائم ہے اور چاند اس کا طواف کرتا ہے تو زمین کی خودی چاند کی خودی سے زیادہ پائیدار ہے۔ اس طرح زمین چونکہ سورج کے گرد بچکر لگاتی ہے۔ لہذا سورج کی بہ نسبت اس کی خودی ضعیف تر ہے :

چون زمین پر ہستی خود محکم است

ماہ پابند طواف پیہم است

ہستی مہر از زمین محکم تر است

پس زمین مسحور بچشم خاور است (۶)

علاوہ اقبال کے خیال میں جب خودی بیدار ہو جاتی ہے تو اس سے ہزاروں عالموں کا ظہور عمل میں آتا ہے، کیونکہ اس کے اندر صدہا جہاں پوشیدہ ہیں۔ جب قطرہ کو اپنی خودی کا احساس ہوتا ہے تو وہ ایک بے مایہ چیز سے گوہر گراں بہا بن جاتا ہے۔ جب سبزہ میں خودی بیدار ہوتی ہے تو زمین کا سینہ چاک کر کے خود کو ظاہر کرتا ہے :

خویشتن را چون خودی بیدار کرد

آشکارا عالم بیدار کرد (۷)

قطرہ چون حرف خوی از بر کند  
 ہستی بے مایہ را گوہر کند (۸)  
 سبزہ چون تاب دبید از خویش یافت  
 ہمت او مینہ گلشن شکافت (۹)

اس کے بر عکس شراب ضعف خودی کی وجہ سے علیحدہ وجود نہیں رکھتی اور اپنے وجود کے اظہار کے لئے وہ مجبوراً ساغر کا احسان اٹھاتی ہے۔ اس طرح پہاڑ جب اپنی خودی کھو بیٹھتا ہے تو ریت کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور سمندر اس کو اس طرف اس طرف کشاں کشاں لئے پھرتا ہے۔

بادہ از ضعف خودی بے پیکر است  
 پیکرش بنت پذیر ساغر است (۱۰)

کوہ چون از خود رود صحرا شود  
 شکوہ سنج جوشش دریا شود (۱۱)

انسان اگرچہ ظاہراً بے مایہ و بے ارزش ہے لیکن خودی کی تربیت سے وہ اس کائنات پر مسلط ہو جاتا ہے۔ نفس و آفاق اس میں گم ہو جاتے ہیں اور اس عالم باد و خاک سے ماورا ہو کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ خود سارے عالم میں نہیں سماتا لیکن ہزاروں جہاں اس کے اندر سما جاتے ہیں :

آنچه در آدم بگنجد عالم است آنچه در عالم بگنجد آدم است (۱۲)

یہ خودی ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان میں ایسی تابش، ریش، پرش، سوزش اور کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ زمان اور مکان کی قیود سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کون و مکان کی وسعتیں اس کی جولان گاہ بن جاتی ہیں اور آسمان

اس کے کارواں کی گرد راہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کی منزل افلاک سے بھی ساورا ٹھہرتی ہے اور خورشید کو اس کی راہ میں صرف ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہوتی ہے :

وسعت ایام جولانگہ او آسمان سوچے زگرد راہ او (۱۳)

خیزد، انگیزد پرد، تابد، رسد، سوزد، افروزد، کشد، سیرد، دسد (۱۴)

بلند تر ز سپہر است منزل سن و تو

براہ قافلہ خورشید سبیل فرسنگ است (۱۵)

اس راہ میں اس کی راہ نما اس کی عقل جہاں میں ہوتی ہے۔ وہ اس کو سارے نشیب و فراز سے آگے کرتی ہے اور اس کو اسرار ازل کا پتہ دیتی ہے۔ اسی عقل کی سیڑھی سے وہ دوش ثریا پر سوار ہو جاتا ہے اور خود ایک بحر ناپیدا کنار میں جاتا ہے۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں مارے عالم کی وسعتیں غرق ہو جاتی ہیں۔ سہر و ماہ اس کی جلوت میں نمودار ہوتے ہیں لیکن اس کی خلوت میں جبرئیل کو بھی اذن بار نہیں ہوتا :

با نور یان بگو کہ بہ عقل بلند دست

ساخاکیان بدوش ثریا سوارہ ایم (۱۶)

علامہ اقبال کی نظر میں انسان کی خودی قائم بالذات نہیں بلکہ اس کا وجود حق تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ اس کو اپنے اظہار کے لئے بھی نمود حق کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ خودی کے تابندہ جیوہ کی اصل دریائے وجود حق تعالیٰ سے ہے، نہ کہ کسی اور شے سے۔



## خودی را از وجود حق وجودی خودی را از نمود حق نمودے (۱۷)

علامہ اقبال چاہتے ہیں کہ انسان بجائے اس کے کہ خود کو ”خدا“ میں جذب کر دے اور اپنی علیحدہ حیثیت کھو بیٹھے، اسے چاہئے وہ اپنا وجود علیحدہ قائم رکھتے ہوئے اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرے۔ وہ بجائے خدا کے اندر جذب ہونے کے خدا کو اپنے اندر جذب کر لے۔ وہ تسخیر کائنات کے عمل سے خدا کو اپنی خودی میں جذب کر سکتا ہے۔ چنانچہ پروفیسر نکلسن کے نام خط میں خودی کی تشریح کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

”انسان جسمانی اور روحانی اعتبار سے ایک قائم بالذات مرکز ہے، لیکن وہ ابھی تک مکمل فرد نہیں ہوا ہے۔ وہ خدا سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے اتنی ہی اس کی انفرادیت کم ہوتی جاتی ہے۔ جو خدا سے قریب ترین نقطہ پر پہنچ جاتا ہے، وہی مکمل ترین شخص ہوتا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ بالآخر خدا میں جذب ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ خدا کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ انسان کامل اس مادی دنیا ہی کو اپنے اندر جذب نہیں کرتا، بلکہ وہ اس کو تسخیر کر لینے کے ذریعہ خدا کو بھی اپنی خودی میں جذب کر لیتا ہے۔۔۔۔۔ (۱۸)

### نیابت حق :

انسانی عظمت کا دوسرا رکن اعظم اس کا نائب حق ہونا ہے۔ وہ ”انی جاعل فی الارض خلیفۃ“ (۱۹) کی جیتی جاگتی تفسیر ہے۔ وہ اس نیابت حق کے ذریعہ تمام کائنات پر فرمانروائی کا شرف حاصل کرتا ہے اور سارے سوجودات عالم پر اس کی عظمت و فضیلت کا سہکے چلتا ہے۔

نائبِ حق درجہاں آدم شود بر عناصر حکم او محکم شود (۲۰)

حرف الی جاعل تقدیر اوست از زمین تا آسمان تفسیر اوست (۲۱)

انسان کو یہ شرفِ خدائی فعلِ تخلیق میں شرکت کے باعث حاصل ہوا ہے۔ اس نے یہ کام اپنی ”اختراعات و ایجادات“ کے ذریعہ انجام دیا ہے۔ علامہ اقبال اپنی نظم ”تسخیرِ فطرت“ میں ”میلادِ آدم“ کے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ انسان کی تخلیق سے کائنات میں ایک ہلہلہ پیدا ہو گیا، کیونکہ فطرت کے ذرہ کو یہ علم ہو گیا کہ ابھی تک ان کی زندگی ”پرش“ اور ”خیزش“ کی نعمتوں سے محروم تھی لیکن اب انسان کی تخلیق کے بعد تمام موجودات عالم میں حرکت پیدا ہو جائے گی۔ انسان کائنات کو زیر و زبر کر دے گا اور جہاں تازہ کی بنا ڈالے گا۔

نعرہ زد عشق کہ خولین جگرے پیدا شد  
حسن لرزید کہ صاحبِ نظرے پیدا شد  
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر  
تا ازین گنبد دیرینہ درے پیدا شد (۲۲)

علامہ اقبال کی نظر میں انسان کا بڑا شرف یہ ہے کہ وہ اس کائنات میں خالق کے فعلِ تخلیق میں شریک اور ساتھی ہے کیونکہ جہاں کو خدا نے خلق کیا تو انسان نے اس کی زیبائش و پیرائش کی :

جہاں او آفرید این خویر ساخت  
مگر با ایزد انباز است آدم (۲۳)

اسی خیال کو علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ”معاورہ بین خدا و انسان“،

میں پیش کیا ہے۔ خدا انسان سے گلہ کرتا ہے کہ اس نے تو اس جہاں کو ایک آب و گل سے پیدا کیا تھا، لیکن انسان نے اس کو اقوام و ممالک میں تقسیم کر دیا۔ اس نے لوہا پیدا کیا تو انسان نے کشت و خون کے لئے اس سے تیر و تفنگ بنا لئے۔ درختوں کو کاٹ کر گلستان جہاں کو زیبائش سے محروم کیا اور آزاد پرندوں کو قفس میں بند کر کے ان کی آزادی لوٹ لی۔ اس پر انسان جواب دیتا ہے کہ اے خدا تو نے رات بنائی تو میں نے اس میں چراغ سے اجالا کیا۔ تو نے سفال پیدا کیا تو میں نے اس سے جام بنایا۔ تو نے بیابان و کوہسار بنائے تو میں نے باغ و گلزار لگا کر عالم کو زینت بخشی۔ میں نے تیرے بنائے ہوئے سنگ سے آئینہ اور زہر سے تریاق بنایا :

|                             |                              |
|-----------------------------|------------------------------|
| تو شب آفریدی، چراغ آفریدم   | سفال آفریدی، ایام آفریدم     |
| بیابان و کہسار و راغ آفریدی | خیابان و گلزار و باغ آفریدم  |
| سن آنم کہ از سنگ آئینہ سازم | سن آنم کہ از زہر نوشینہ سازم |

البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کو یہ شرف تسخیر فطرت کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، جو بطور کلی عنایت خداوند کا نتیجہ ہے، کیونکہ اسی کے حکم سے انسان نے شمس و قمر کو تسخیر کیا ہے۔ دوسرے انسان نے یہ جذبہ عقل جہاں میں کے ذریعہ انجام دیا ہے۔ اور تیسرے یہ کام ایک عظیم جذبہ کے ذریعہ عمل میں آیا جس کا نام ”عشق“ ہے۔

### عشق :

”عشق“، ایک ایسا شدید جذبہ ہے جو انسان کی مقصد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ انسان کی خودی عشق کے ذریعہ ”پائندہ تر“، ”زلدہ تر“، ”سوزندہ تر“،

تابندہ تر، ہوجاتی ہے :

نقطہ نوری کہ نام او خودی است زیر خاک ماسرار زندگی است

از محبت میشود پایندہ تر زندہ تر، سوزندہ تر، تابندہ تر (۲۵۔)

علامہ اقبال پروفیسر نکلسن کے نام اپنے خط میں ”عشق“ کی کیفیت اور خودی کے استحکام میں اس کی ضرورت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

”خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔ عشق کا لفظ میں نے بہت وسیع معانی میں استعمال کیا ہے۔ جس میں تسخیر کرنے اور جذب کرنے کی آرزو شامل ہے۔ اس کی اعلیٰ صورت اقدار و مقاصد کی تخلیق اور پھر ان کے حصول کی کوشش ہے۔“ (۲۶)

اسی عشق کے ذریعہ انسان میں ایسی قوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ کون و مکان کو اپنے زیر نگیں کر لیتا ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے اشاروں پر چلنے لگتا ہے۔ اس کی انگشت سے چاند شق ہوجاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اوصاف الہی سے متصف ہوجاتا ہے، اور رضائے حق اس کی رضا میں منضم ہوجاتی ہے۔

از محبت چون خودی محکم شود قوتش فرماندہ عالم شود

پنجہ او پنجہ حق میشود ماہ از انگشت او شق میشود (۲۷)

در رضایش مرضی حق کم شود این سخن کے باور مردم شود (۲۸)

علامہ اقبال کے خیال میں زندگی میں کامیابی کی بہترین راہ یہ ہے کہ عقل اور عشق میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ بہ الفاظ دیگر عقل دل کی راہنمائی

قبول کر لے تو وہ خدا کی عطا کردہ تمام نعمتوں میں اہم ترین مقام کی حامل ہو جاتی ہے۔ عقل اور عشق کی ہم آہنگی کے نتیجہ میں انسان میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ فطرت کی تسخیر کر سکتا ہے اور اس کا حکم ستاروں اور آسمانوں پر بھی چلنے لگتا ہے۔

زندگی از عشق گردد حق شناس      کار عشق از زیر کی محکم اساس  
عشق چوں با زیر کی مہر شود      نقش بند عالم دیگر شود (۲۹)

عشق کا جذبہ انسان میں ایک لافانی آرزو پیدا کرتا ہے، جس کے ذریعہ انسان کے لئے جہاں اسباب و علل کی تسخیر ممکن ہو جاتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ آرزو کی غیر فانی قوت کو ہمیشہ اپنے دل میں زندہ رکھے تاکہ اس کی سشت خاک سزار نہ بن جائے، بلکہ اس میں ہمیشہ تگ و تاز باقی رہے:

آرزو را در دل خود زندہ دار      تا نگردد سشت خاک تو سزار (۳۰)

عشق کی ”ہای و هو“ اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی جستجو کی خواہش ایسی نعمتیں ہیں جن سے فرشتے نا آشنا و محروم ہیں۔ یہ انسان بھی کا دل ہے جو ”نیش و نوش آرزو“ سے واقف ہے:

نداند جبرائیل این های و هورا      کہ نشاند مقام جستجو را  
بہر از بندہ بیچارہ خویش      کہ داند نیش و نوش آرزو را (۳۱)

اس مقام پر پہنچ کر فرشتہ بھی، جو ساورائے افلاک ہے، انسان کو بڑی حیرت اور استعجاب سے دیکھتا ہے:

فرشتہ گرچہ بروں از طلسم افلاک است  
نگاہ او بہ تماشای این کف خاک است

یہی وہ مقام ہے کہ جبرئیل بھی اس پر رشک کرتے اور خدا سے انسان کی لذت آہ و فغان اور سوز و گداز عطا کرنے کی دعا کرتے ہیں :

مرا ناز و نیاز آدمی دہ بیجان من گداز آدمی دہ (۳۲)

اس مقام پر پہنچ کر انسان مظہر قدرت حق بن جاتا ہے۔ کائنات میں کوئی شے اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اگر آسمان اس کا تابع نہ ہو تو وہ اس سے جنگ کرتا ہے۔ وہ گردش ایام کو زیر و زبر کر دیتا ہے اور جہان تازہ کی بنیاد ڈالتا ہے، جو اس کا مطیع و فرمان بردار بن کر رہے :

گر سازد باسراج او جہان میشود جنگ آزما با آسمان  
گردش ایام را برہم زند چرخ نیلی فام را برہم زند  
میکند از قوت خود آشکار روزگار نو کہ باشد سازگار (۳۳)

علامہ اقبال کو انسان کے روشن مستقبل پر پوری طرح ایمان تھا۔ ان کو یقین تھا کہ وہ دن دور نہیں جب انسان کی تیرہ بختی کی شب تمام ہو جائے گی اور اس کی خوشبختی کا ستارہ افق سے طلوع ہوگا۔ اگرچہ اس کا وجود ایک پر کاہ سے زیادہ نہیں لیکن ایک دن وہ اپنی خودی کی تربیت کرے، خود میں ایسی طاقت پیدا کر لے گا کہ تمام موجودات عالم کو مسخر کرے اس کائنات پر حکمرانی و حکمفرمائی کرے گا۔ اس کام میں وہ فرشتوں کو بھی پیچھے چھوڑ دے گا :

فروغ سشت خاک از نوریان افزون شود روزے  
زمین از کوکب تقدیر او گردون شود روزے (۳۴)

علامہ اقبال انسان کو اس دن کے لئے تیار کرنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔ وہ انسان کو ناموس ازل کا امین سمجھتے ہیں اور بیک وقت زمان و زمین کا سالک خیال کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان شک و گمان کے طلسم سے آزاد ہو کر، یقین کی اطمینان بخش فضا میں سانس لے۔ اس لئے وہ انسان کو غفلت کی خواب گراں سے بیدار ہو کر اپنے مقدس آدرش پر گلزن ہونے کی دعوت دیتے ہیں :

ناموس ازل را تو امینی، تو اسینی      دارای جہاں را تو یساری، تو یومینی  
اے بندہ خاکی تو زمانی، تو زمینی      صہبانے یقین درکش و از دیرگماں خیز

از خواب گران، خواب گران، خواب گران خیز

از خواب گران خیز (۳۵)

علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں جس کا عنوان ”صبح قیامت“ ہے انسان کو باری تعالیٰ کے حضور دکھایا ہے۔ اس نظم سے ان کا مقصد انسان کی واقعی عظمت کا اندازہ کرانا اور انسان کو اس مقام کے حصول کی تلقین کرنا ہے۔ اس نظم میں وہ بیان کرتے ہیں کہ انسان خدائے تعالیٰ کے حضور اپنے جملہ کارناموں کو جو اس نے نائب حق کے طور پر دنیا میں انجام دئے ہیں گنوا رہا ہے کہ کس طرح اس نے شمع حق کی روشنی سے ہدایات حاصل کر کے اس تاریک جہاں میں اپنی راہ پیدا کی، اور زہرہ اور پروین کو اپنا مسحور اور مہر و ماہ کو مسحور کیا۔ عقل خدا داد کے ذریعہ زمین کے سینہ کو چیرا اور افلاک کی بلندیوں پر اپنی عظمت کا جھنڈا گاڑا اور کائنات کے ہر ذرہ کو اپنے زیر نگیں کر لیا۔ یہ سارے کارنامے انسان بڑے فخر سے خداوند

کریم کے سامنے بیان کرتا ہے، اس امید میں کہ یہ سب خالق کون و مکان کو پسند آئیں گے اور وہ انسان کو اپنی نیابت کے مشکل مشن کو بطرز احسن انجام دینے پر قابل صد تحسین و آفرین اور مبارکباد کا سزاوار قرار دے گا۔

اے کہ ز خورشید تو کو کب جاں مستنیر  
از دلم افروختی شمع جهان ضریر  
ریخت ہترہاے من بحر بیک نائے آب  
تیشہ من آورد از جگر خارہ شیر  
زہرہ گرفتار من، ماہ پرستار من  
عقل کلان کار من، بہر جہاں دارو گیر  
من بہ زمین درشدم، من بہ فلک برشدم  
بستہ جادوے من ذرہ و سہر منیر (۳۶)

### حوالہ جات

- ۱ - زبور عجم، طبع لاہور، ص ۱۳۲۔
- ۲ - پیام مشرق، طبع لاہور ص ۳۴۔
- ۳ - ایضاً۔
- ۴ - اسرار خودی، طبع لاہور، ص ۱۲۔
- ۵ - سیرت اقبال، محمد طاہر فاروقی، طبع لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۳۰۴-۳۰۵۔
- ۶ - اسرار خودی، طبع لاہور، ص ۱۵۔
- ۷ - ایضاً ص ۱۴۔



- ۸ - ایضاً -
- ۹ - ایضاً، ص ۱۵ -
- ۱۰ - ایضاً، ص ۱۳ -
- ۱۱ - ایضاً -
- ۱۲ - جاوید نامہ، طبع لاہور، ص ۷۵ -
- ۱۳ - اسرار خودی، ص ۱۳ -
- ۱۴ - ایضاً -
- ۱۵ - پیام مشرق، ص ۱۷۸ -
- ۱۶ - ایضاً، ص ۲۱۴ -
- ۱۷ - ارغوان حجاز، طبع لاہور، ص ۱۷۳ -
- ۱۸ - سیرت اقبال، ص ۳۰۴ -
- ۱۹ - قرآن کریم، سورة البقر (۲)، آية ۳۰ -
- ۲۰ - رسوز ییخودی، طبع لاہور، ص ۱۶۶ -
- ۲۱ - جاوید نامہ، طبع لاہور، ص ۷۴ -
- ۲۲ - پیام مشرق، ص ۹۷ -
- ۲۳ - ایضاً ص ۱۶ -
- ۲۴ - ایضاً، ص ۱۳۲ -
- ۲۵ - اسرار خودی، ص ۱۸-۱۹ -
- ۲۶ - سیرت اقبال، ص ۳۰۵ -